

تفہیم القرآن

(۱۳)

الانعام

(از رکوع ۶ تا وسط رکوع ۱۶)

اور اے محمد! تم اس (عالم وحی) کے ذریعہ سے اُن لوگوں کو نصیحت کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے بھی اس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اُس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہو گا جو ان کا حامی و مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے، شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہو کر) وہ خدا ترسی کی روش اختیار کر لیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ پھینکو، اُن کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں ہے اور تمہارے حساب میں سے

سہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں ایسے مہوش ہیں کہ انہیں نہ موت کی فکر ہے نہ یہ خیال ہے کہ کبھی میں اپنے خدا کو بھی منہ دکھانا ہے اُن پر تو نصیحت ہو گزرا کر نہ ہو گی۔ اور اسی طرح ان لوگوں پر بھی اس کا کچھ اثر نہ ہو گا جو اس بے بنیاد بھروسہ پر چلیے ہیں کہ دنیا میں ہم جہ جہاں کہ گزریں، آخرت میں ہمارا بال تک بیکانہ ہو گا کیونکہ ہم فلاں کے دامن گرفتہ ہیں، یا فلاں ہماری سفارش کر دے گا یا فلاں ہمارے لیے کفارہ بن چکا ہے۔ لہذا ایسے لوگوں کو چھوڑ کر تم اپنا دوسرے جن ان لوگوں کی طرف رکھو جو خدا کے سامنے حاضری کا بھی اندیشہ رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ جھوٹے بھروسوں پر بھروسے ہو کر بھی نہ ہوں۔ اس نصیحت کا اثر صرف ایسے ہی لوگوں پر ہو سکتا ہے اور انہی کے درست ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

سہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور کھاتے پیتے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بخدا اور اعتراضات کے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آپ کے گرد پیش ہماری قوم کے غلام، موالی، اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ اس شخص کو ساتھ بھی کیسے کیسے معزز لوگ ملے ہیں، بلال، عمار، صہیب، اور جناب لبس ہی لوگ اللہ کو ہمارے درمیان ایسے ملے جن کو ہم گزیدہ کہا جاسکتا تھا! پھر وہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

کسی چیز کا باران پر نہیں، اس پر بھی اگر تم انہیں دو بھینکوں کو تو ظالموں میں شمار ہو گئے۔ دراصل ہم نے اس طرح ان لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ انہیں دیکھ کر کہیں "کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر ہمارے درمیان اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے؟" — ہاں! کیا خدا اپنے شکر گزار بندوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتا ہے؟ جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو "تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، اور یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو وہ معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے" — اور اس طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی راہ بالکل نمایاں ہو جائے۔

اے محمد! ان سے کہو کہ تم لوگ اللہ کے سوا جن دوسروں کو پکارتے ہو ان کی بندگی کرنے سے بچھ منع کیا گیا ہے۔ کہو میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، اگر میں نے ایسا کیا تو گمراہ ہو گیا، راہ راست

(بقیہ سابق) ان ایمان لائے والوں کی خستہ حالی کا مذاق اڑانے پر ہی استغناء کرتے تھے بلکہ ان میں سے جس سے کبھی پہلے کوئی خدائی کمزوری ظاہر ہوئی تھی اس پر بھی حرف گہریاں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فلاں جو کل تک یہ تھا اور فلاں جس نے یہ کیا تھا آج وہ بھی اس بزرگزیہ گروہ میں شامل ہے۔ انہی باتوں کا جواب یہاں دیا جا رہا ہے۔

(دعوتی صفحہ ہذا) سہ یعنی ہر شخص اپنے عیب و عوار آپ ہی ہے۔ ان مسلمان ہونے والوں میں سے کسی شخص کی جواب دہی کے لیے تم کھڑے نہ ہو گے اور نہ تمہاری جواب دہی کے لیے ان میں سے کوئی کھڑا ہو گا۔ تمہارے حصہ کی کوئی منگی یہ تم سے بھی نہیں سکتے اور اپنے حصہ کی کوئی بدی تم پر ڈال نہیں سکتے۔ پھر جب محض طالب حق بن کر تمہارے پاس آتے ہیں تو آخر تم کیوں انہیں اپنے سے دور بھینکو۔

سہ یعنی غریبوں اور مفلسوں اور ایسے لوگوں کو جو سوسائٹی میں ادنیٰ حیثیت رکھتے ہیں، سب سے پہلے ایمان کی توفیق دے کر ہم نے دولت اور عزت کا گھنٹہ رکھنے والے لوگوں کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔

سہ اس طرح "کا اشارہ اس پورے سلسلہ تقریر کی طرف ہے جو چوتھے رکوع کی اس آیت سے شروع ہوا تھا: "یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی نہیں اتری" مطلب یہ ہے کہ ایسی صاف اور صریح دلیلوں اور نشانوں کے بعد بھی جو لوگ اپنے کفر و نکاح (باقی اگلے صفحہ پر)

پاتے والوں میں سے نہ رہا۔ کہو، میں اپنے رب کی طرف سے ایک دلیل روشن پر قائم ہوں اور تم نے اسے جھٹلایا ہے، اب میرے اختیار میں وہ چیز ہے نہیں جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو، فیصلہ کا سارا اختیار اللہ کو ہے، وہی امر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہو، اگر کہیں وہ چیز میرے اختیار میں ہوتی جس کی تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، مگر اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ ظالموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جانا چاہیے۔ اسی کے پاس غیب کی کہیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، بحر و بر میں جو کچھ ہے سبک وہ واقف ہے، درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو، زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے، پھر دوسرے روز وہ تمہیں اسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقرر مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو! اپنے بندوں پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کر کے بھیجتا ہے یہاں

(بقیہ سابق) اصرار ہی کیے چلے جائیں ان کا مجرم ہونا بالکل غیر مشتبہ طور پر ثابت ہو جاتا ہے اور حقیقت بالکل آئینہ کی طرح نمایاں ہوتی جاتی ہے کہ دراصل یہ لوگ ضلالت پسندی کی بنا پر یہ راہ چل رہے ہیں نہ اس بنا پر کہ راہ حق کے دلائل واضح نہیں ہیں یا یہ کہ کچھ دلیلیں ان کی اس گمراہی کے حق میں بھی موجود ہیں۔

(حواشی صفحہ ۱۷) سہ اشارہ ہے عذاب الہی کی طرف۔ مخالفین کہتے تھے کہ اگر تم خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہو اور ہم حکم کھلا تم کو جھٹلاتے ہیں تو کیوں نہیں خدا کا عذاب ہم پر ٹوٹ پڑتا؟ تمہارے مامور من اللہ ہونے کا اقتضا تو یہ تھا کہ ادھر کوئی تمہاری تکذیب یا توہین کرنا اور ادھر فوراً زمین و آسمانی اور وہ اس میں سما جاتا یا بجلی گرتی اور وہ بھسم ہو جاتا یہ کیا ہے کہ خدا کا فرستادہ اور اس پر ایمان لانے والے تو مصیبتوں پر مبتلا ہیں اور دولتوں پر ذلتیں سہ رہے ہیں اور ان کو گالیاں دینے اور پتھر مارنے والے چین کیے جاتے ہیں؟

سہ یعنی ایسے فرشتے جو تمہاری ایک ایک جنبش اور ایک ایک بات پر نگاہ رکھتے ہیں اور تمہاری ہر حرکت کا ریکارڈ محفوظ کرتے رہتے ہیں۔

تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں اور اپنے کام میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب کے سب اپنے حقیقی آقا کی طرف واپس لائے جاتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ، فیصلہ کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔

اے محمد! ان سے پوچھو، صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (محبیب کے وقت) گرگڑا کر گڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچایا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے؟ — کہو، اللہ تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ کہو، وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کرے، یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کرے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو، ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں شاید کہ حقیقت کو سمجھ لیں۔

یعنی یہ حقیقت کہ تنہا اللہ ہی قادر مطلق ہے اور وہی تمام اختیارات کا مالک اور بھلائی اور برائی کا منتاقل ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمہارے تمہوں کی باگ ڈور ہے، اس کی شہادت تمہارے اپنے نفس میں موجود ہے چنانچہ جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور اسباب کے سرشتے ٹوٹے نظر آتے ہیں تو اس وقت تم بے اختیار اُسی کی طرف رجوع کرتے ہو لیکن اس کھلی علامت کے ہوتے ہوئے بھی تم نے خدا تعالیٰ میں بلا دلیل و حجت اور بلا ثبوت دوسروں کو اس کا شریک بنا رکھا ہے۔ پتے ہو اس کے رزق پر اور ان داتا بناتے ہو دوسروں کو۔ دہ دہاتے ہو اس کے فضل و کرم سے اور حانی و ناصر ٹھہراتے ہو دوسروں کو۔ غلام ہو اس کے اور بندگی بجالاتے ہو دوسروں کی شکل آسانی کرتا ہے وہ، برے وقت پر گرگڑا دے ہو اس کے، اے، اور جب وہ وقت گزر جاتا ہے تو تمہارے شکل کشا بن جاتے ہیں دوسرے اور تذریں اور نیازیں چڑھنے لگتے ہیں ان کے نام کی۔

۱۰ جو لوگ عذاب الہی کو اپنے سے دور پاکر خق دشمنی میں جرأت پر جرات دکھا رہے تھے انہیں تنبیہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے عذاب کو آتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ہوا کا ایک، طوفان نہیں اچانک ببا کر سکتا ہے۔ زلزلے کا ایک جھٹکا تمہاری جیتوں کو پیوند خاک کر دینے کے لیے کافی ہے۔ قبائلی اور قومی اختلافات کے میگزین میں ایک چنگاری وہ بنا ہی بھیلا سکتی ہے کہ سالہا سال تک خونریزی و بدامنی سے نجات نہ ملے پس اگر عذاب نہیں آ رہا ہے تو یہ تمہارے لیے غفلت و مدبوشی کی پینک ذہن جانی چاہیے کہ مطمئن ہو کر مجمع و غلط کا ایثار کیے بغیر اندھوں کی طرح زندگی کے راستے پر چلتے رہو۔ غیبت سمجھو کہ اللہ تمہیں مہلت دے رہا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

قوم اس کا انکار کر رہی ہے حالانکہ وہ حقیقت ہے۔ ان سے کہہ دو کہ میں تم پر حوالہ دار نہیں بنایا گیا ہوں، ہر خبر کے ظہور میں آنے کا ایک وقت مقرر ہے، بغیر تم کو خود انجام معلوم ہو جائے گا۔

اور اے محمد! جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینیال کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں، اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کی ذمہ داری پر ہیزگار لوگوں پر نہیں ہے، البتہ نصیحت کرنا ان کا فرض ہے شاید کہ وہ غلط روی سے نفع جائیں۔ چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو مکمل اور تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ ہاں مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور تنبیہ کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے کیے کر تو تلوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے، اور گرفتار بھی اس حال میں کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی سفارشی

(بقیہ مابق) اور وہ نشانیاں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے جس سے تم حق کو پہچان کر صحیح راستہ اختیار کر سکو۔

(حواشی صفحہ ۱۸) سہ یعنی میرا یہ کام نہیں ہے کہ جو کچھ تم نہیں دیکھ رہے ہو وہ زبردستی تمہیں دکھاؤں اور جو کچھ تم نہیں سمجھ رہے ہو وہ زور تمہاری سمجھ میں آنا دوں۔ اور میرا یہ کام بھی نہیں ہے کہ اگر تم نہ دیکھو اور نہ سمجھو تو تم پر عذاب نازل کر دوں۔ میرا کام صرف حق اور باطل کو نمیز کر کے تمہارے سامنے پیش کر دینا ہے۔ اب اگر تم نہیں مانتے تو جس برے انجام سے میں تمہیں ڈراتا ہوں وہ اپنے وقت پر خود تمہارے سامنے آ جائے گا۔

سہ یعنی اگر ہماری یہ ہدایت تمہیں یاد نہ رہے اور بھولے سے تم ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھے رہ جاؤ۔

سہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی نافرمانی سے خود نفع کیے کام کرتے ہیں ان پر نافرمانوں کے کسی عمل کی ذمہ داری نہیں ہے، پھر وہ کیوں خواہ مخواہ اس بات کو اپنے اوپر فرض کر لیں کہ ان نافرمانوں سے بحث و مناظرہ کر کے ضرور انہیں قائل کر کے سی چھوڑیں گے اور ان کے ہر لغو و مہمل اعتراض کا جواب ضرور ہی دیں گے اور اگر وہ نہ مانتے ہوں تو کسی نہ کسی طرح منوا کر ہی رہیں گے۔ ان کا فرض اس اتنا ہے کہ جنہیں مگر ہی میں بھٹکتے دیکھ رہا ہوں انہیں نصیحت کریں اور حق بات ان کے سامنے پیش کر دیں۔ پھر اگر وہ نہ مانیں اور جھگڑے اور بحث و گفت باز یوں پر اتر آئیں تو اہل حق کا یہ کام نہیں ہے کہ ان کے ساتھ دائمی کشمکش لڑنے میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں ضائع کریں۔ ضلالت پسند لوگوں کے بجائے انہیں اپنے وقت اور اپنی قوتوں کو ان لوگوں کی اصلاح پر صرف کرنا چاہیے جو خود طالب حق ہوں۔

اس کے لیے نہ ہوا اور اگر وہ ہر ممکن چیز فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو وہ بھی اس سے قبول نہ کی جائے، کیونکہ ایسے لوگ تو خود اپنی کمائی کے نتیجہ میں پکڑے جائیں گے، ان کو تو اپنے انکارِ حق کے معاوضہ میں کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب بھگتنے کو ملے گا۔

اے محمد! ان سے پوچھو کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور جبکہ اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا اب ہم اُسے پاؤں پھر جائیں؟ کیا ہم اپنا حال اُس شخص کا سا کر لیں جسے شیطان نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و سرگرداں پھر رہا ہو دریاں حائلے کہ اس کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ ادھر آ یہ سیدھی راہ موجود ہے؟ کہو حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی رہنمائی ہے اور اُس کی طرف سے ہمیں حکم ملا ہے کہ مالک کائنات کے آگے سب اطاعتِ ختم کر دو، نماز قائم کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جائے اسی دن وہ ہو جائے گا، اس کا

سُورۃ قرآن میں یہ بات جبکہ جگہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے یا حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ ارشادِ بہت وسیع معافی پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق محض کھیل کے طور پر نہیں ہوئی ہے، یہ بیشورجی کی بیلا نہیں ہے، ایسی کسی شے کا کھلونا نہیں ہے کہ محض دل بہلانے کے لیے وہ اس سے کھیلتا رہے اور پھر یو نہی اُسے توڑ پھوڑ کر پھینک دے۔ دراصل یہ ایک نہایت سنجیدہ کام ہے جو حکمت کی بنا پر کیا گیا ہے، ایک مقصدِ عظیم اس کے اندر کار فرما ہے، اور اس کا ایک دور گزر جانے کے بعد ناگزیر ہے کہ خالق اس پورے کام کا حساب لے جو اس دور میں انجام پایا ہے اور اسی دور کے نتائج پر دوسرے دور کی بنیاد رکھے یہی بات ہے جو دوسرے مقامات پر یوں بیان کی گئی ہے: سَمَّا بَنَّا مَا خَلَقْنَا هَذَا اَبَا يَطْلُو - اے ہمارے رب، تو نے یہ سب کچھ فضول پیدا نہیں کیا ہے۔ اور وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَعِبٍ - ہم نے آسمان و زمین اور ان چیزوں کو جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا ہے۔ اور اَنْحَسِبْتُمْ اَنْتُمْ اَخْلَقْنَاهُمْ عَبَثًا وَاَنْتُمْ كَارِهُونَ - تو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یو نہی فضول پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف واپس نہ لائے جاؤ گے؟ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے یہ سارا نظام کائنات حق کی ٹھوس بنیادوں پر قائم کیا ہے۔ عدل اور حکمت اور راستی کے قوانین پر اس کی ہر چیز مبنی ہے باطل کے لیے فی الحقیقت اس نظام میں جڑ پکڑنے اور بار آور ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ باطل پرستوں کو موقع دیدے کہ وہ اگر اپنے جھوٹ اور ظلم اور ناراستی کو فروغ دینا چاہتے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

ارشاد معین حق ہے، اور جس روز صور پھونکا جائے گا اس روز پادشاہی اسی کی ہوگی، وہ غیب اور شہادت علیہ چیز کا عالم ہے اور دانا اور باخبر ہے۔

ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جب اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا "کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو

(بقیہ سابق) تو اپنی کوشش کر دکھیں، لیکن آخر کار زمین باطل کے ہرنج کو اگل کر پھینک دے گی اور آخری فرد حساب میں ہر پائل پرست دیکھ لے گا کہ جو کوششیں اس نے اس شجر ضیعت کی کاشت اور آبیاری میں صرف کیں وہ سب ضائع ہو گئیں۔ اس کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اس ساری کائنات کو بر بنائے حق پیدا کیا ہے اور اپنے ذاتی حق کی بنا پر وہ فرمانروائی کر رہا ہے۔ اس کا حکم یہاں اس لیے چلتا ہے کہ وہی اپنی پیدا کی ہوئی کائنات میں حکمرانی کا حق رکھتا ہے، اور دوسروں کا حکم اگر بغاوت نظر بھی آتا ہو تو اس سے دھوکا نہ کھاؤ، فی الحقیقت نہ ان کا حکم چلتا ہے، نہ چل سکتا ہے، کیونکہ کائنات کی کسی چیز پر بھی ان کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس پر اپنا حکم چلائیں۔

(حواشی صفحہ ۲۱۸) سورہ صافات کی کیفیت کیا ہوگی، اس کی تفصیل: ہمارے یہ سارے قرآن سے جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ قیامت کے روز اللہ کے حکم سے ایک مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور سب ہلاک ہو جائیں گے، پھر نہ معلوم کتنی مدت بعد جسے اللہ ہی جانتا ہے، دوسرا صور پھونکا جائے گا اور تمام اولین و آخرین از سر نو زندہ ہو کر اپنے آپ کو میدان حشر میں پائیں گے۔ پہلے صور پر سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا اور دوسرے صور پر ایک دوسرا نظام نئی صورت اور نئے قوانین کے ساتھ قائم ہو جائے گا۔

علیہ مطلب نہیں ہے کہ آج پادشاہی اس کی نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس روز جب پردہ اٹھایا جائے گا اور حقیقت بالکل سامنے آجائے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سب جو با اختیار نظر آتے تھے یا سمجھے جاتے تھے، بالکل بے اختیار ہیں اور پادشاہی کے سارے اختیارات اسی ایک خدا کے لیے ہیں جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔

علیہ غیب = وہ سب کچھ جو مخلوقات سے پوشیدہ ہے۔

شہادت = وہ سب کچھ جو مخلوقات سے لیے ظاہر و معلوم ہے۔

علیہ یہاں حضرت ابراہیم کے واقعہ کا ذکر اس امر کی تائید اور شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت سے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے شرک کا انکار کیا ہے اور سب مصنوعی خداؤں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور تیری قوم کو کھلی گراہی میں پاتا ہوں۔ ابراہیم کو ہم ہی طرح دین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا رب۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیم

(دقیقہ سابق) منہ موڑ کر صرف ایک مالک کائنات کے آگے سراحاتِ محم کردہا ہے اسی طرح کل یہی کچھ ابراہیم علیہ السلام بھی کر چکے ہیں اور جس طرح آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں سے ان کی جاہل قوم جھگڑ رہی ہے اسی طرح کل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ان کی قوم ہی جھگڑا کر چکی ہے۔ اور کل جو جواب حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو دیا تھا آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروں کی طرف سے ان کی قوم کو بھی وہی جواب ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس راستہ پر ہیں جو نوح اور ابراہیم اور نسلِ ابراہیمی کے تمام انبیاء کا راستہ رہا ہے۔ اب جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کر رہے ہیں انہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ وہ انبیاء کے طریقہ سے جھٹ کر ضلالت کی راہ پر جا رہے ہیں۔

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ کفار و حرب بالعموم حضرت ابراہیم کو اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے تھے اور خصوصاً قریش کے تو فخر و ناز کی ساری بنیاد ہی یہ تھی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے تعمیر کردہ خانہ خدا کے خادم ہیں۔ اس لیے ان کے سامنے حضرت ابراہیم کے عقیدہ توحید اور شرک سے ان کے انکار اور مشرک قوم سے ان کی نزاع کا ذکر کرنے کے منی یہ تھے کہ قریش کا سارا سرمایہ فخر و ناز اور کفار و حرب کا اپنے خسر کا دین پر سارا اطمینان ان سے چھین لیا جائے، اور ان پر ثابت کر دیا جائے کہ آدھے مسلمان اس مقام پر ہیں جس پر حضرت ابراہیم تھے اور تمھاری حیثیت وہ ہے جو حضرت ابراہیم سے لڑنے والی جاہل قوم کی تھی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہر جیسے کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدوں اور قادری النصب پر زادوں کے سامنے حضرت شیخ کی اصل تعلیمات اور ان کی زندگی کے واقعات پیش کر کے یہ ثابت کر دے کہ جن بزرگ کے تم نام لیا ہو، تمھارا اپنا طریقہ ان کے بالکل خلاف ہے اور تم نے آج انہی گمراہ لوگوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے جن کے خلاف تمھارے مقتدا تمام عہدِ جہاد کرتے رہے۔

(حواشی صفحہ ۲۵) سہ جیسی جس طرح تم لوگوں کے سامنے آثارِ کائنات نمایاں ہیں اور اللہ کی نشانیاں تمھیں دکھائی جا رہی ہیں اسی طرح ابراہیم کے سامنے بھی یہی آثار تھے اور یہی نشانیاں تمھیں۔ مگر تم انھیں دیکھنے پر بھی اندھوں کی طرح کچھ نہیں دیکھتے اور ابراہیم نے (باقی اگلے صفحہ پر)

(جو اسی صفحہ سابق) انھیں آنکھیں کھول کر دیکھا۔ یہی سورج اور چاند اور تارے جو تمہارے سامنے طلوع و غروب ہوتے ہیں اور روزانہ
نم کہ جیسا گمرہ طلوع ہوتے وقت پاتے ہیں وہی اسی غروب ہوتے وقت چھوڑ جاتے ہیں، انہی کو اس آنکھوں والے انسان نے بھی دیکھا
تھا اور انہی نشانات سے وہ حقیقت تک پہنچ گیا۔

اس مقام کو اور قرآن کے دوسرے مقامات کو جہاں حضرت ابراہیم سے ان کی قوم کی تزارح کا ذکر آیا ہے، اچھی طرح سمجھنے
کے لیے یہ ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم کی قوم کے مذہبی و تمدنی حالات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ جدید اثری تحقیقات کے سلسلہ میں
نہ صرف وہ شہر دریافت ہو گیا ہے جہاں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے، بلکہ دور ابراہیمی میں اس علاقے کے لوگوں کی جو حالت تھی
اس پر بھی بہت کچھ روشنی پڑی ہے۔ سر لیونارڈ وولی (Sir Leonard Woolley) نے اپنی کتاب (Abraham," London,
1935. میں اس تحقیقات کے جو نتائج شائع کیے ہیں ان کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے
ہیں۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ سن ۱۸۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں جسے اب عام طور پر محققین حضرت ابراہیم کے ظہور کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں
شہر ار کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی اور یہیں کہ پانچ لاکھ ہو۔ بڑا صنعتی و تجارتی مرکز تھا۔ ایک طرف پامیر اور نیلگری تک نال
مال آتا تھا اور دوسری طرف اناطولیہ تک سے اس کے تجارتی تعلقات تھے جس پر اس کا یہ صدر مقام تھا اس کے حدود موجودہ
حکومت عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھے۔ ملک کی آبادی بیشتر صنعت و تجارت پر مشتمل تھی۔ اس عہد کی جو تحریکات آثار
قدیمہ کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطہ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا۔ دولت کمانا
اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا ان کا سب سے بڑا مقصد جیات تھا۔ سود خوری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ سخت کاروباری قسم کے
لوگ تھے۔ ہر ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور آپس میں بہت مقدمہ بازیاں ہوتی تھیں۔ اپنے خداؤں سے ان کی دنیا
زیادہ تر درازی عمر و خوش حالی، اور کاروبار کی ترقی سے متعلق ہو کرتی تھیں۔ آبادی میں طبقات پر مشتمل تھی۔ غمیلو یہ اونچے طبقے کے
لوگ تھے جن میں پٹاری، حکومت کے عہدہ دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔ مشکیبنو، یہ تجار، اہل صنعت اور زراعت پر مشتمل لوگ تھے۔
آر دو یعنی غلام۔ ان میں سے پہلے طبقہ، یعنی غمیلو کو خاص امتیازات حاصل تھے۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے
مختلف تھے، اور ان کی جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھی۔

اُر کے کتبائیں تقریباً ہزار خداؤں کے نام بتاتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک
خاص محافظ خدا ہوتا تھا جو رب البلد سمجھا جاتا تھا اور اس کا احترام دوسرے معبودوں سے زیادہ ہوتا تھا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ سابق) اُرکاربک البلد، مہادیو یا کس الالہہ تبار (چاند دیوتا) تھا اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام "تمرنہ" بھی رکھا ہے۔ دوسرا بڑا شہر لرسہ تھا جو بعد میں اُر کے بجائے مرکز سلطنت ہوا۔ اس کا ربک البلد شمش "دسورج دیوتا" تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے اور کم تر زمین سے منتخب کیے گئے تھے اور لوگ اپنی مختلف فروشی ضروریات ان سے تعلق سمجھتے تھے۔ ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادت انہی کے آگے بجالائے جوتے تھے۔

"نثار" کا بُت اُر میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک نالی شان عمارت میں نصب تھا۔ اسی کے قریب نثار کی بیوی بن گل کا معبد تھا۔ نثار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سر کی سی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پوجارن جا کر اس کی دلہن بنتی تھی۔ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیت دیوتا سیوں کی سی تھی۔ وہ عورت بڑی مغز خیال لی جاتی تھی جو خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔ اور کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو تارہ خدا میں کسی جنبی کے حوالہ کرنا عورت کے لیے ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ اب یہ بیان کرنا کچھ ضروری نہیں کہ اس مذہبی قبحہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پوجاری حضرات ہی ہوتے تھے۔

نثار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار، سب سے بڑا تاجر، سب سے بڑا کارخانہ دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ، مکانات، اور زمینیں اس کے مندر کے لیے وقف تھیں اور ان کے حاصلات کے علاوہ کسان زمیندار، پنجار سبک قسم کے نئے، دودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لاکھ مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنہیں وصول کرنے کے لیے معبد میں ایک بہت بڑا اسٹاف موجود تھا۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے، بخاری کاروبار بھی بہت بڑے پیمانے پر مندر کی طرف سے ہوتا تھا اور یہ دونوں کام دیوتا کی نیابت میں پوجاری ہی انجام دیتے تھے۔ پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی، پوجاری اس کے جج تھے اور ان کے فیصلے خدا کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی نثار ہی سے ماخوذ تھی، اصل بادشاہ نثار تھا اور فرماں روا اُسے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔ اس تعلق سے بادشاہ خود بھی مجبوروں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداؤں کے مانند اس کی پرستش کی جاتی تھی۔

اُر کا شاہی خاندان جو حضرت ابراہیم کے زمانہ میں حکمران تھا، اس کے بانی اول کا نام اُر نمٹو تھا جس نے ۲۳۰۰ برس قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی۔ اس کے حدود مملکت مشرق میں سوسہ سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسی سے اس خاندان کو نمٹو کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمروڈ ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد اس خاندان اور اس قوم پرسل بنیابی نازل ہوئی شروع ہوئی۔ پہلے ایلامیوں نے اُر کو تباہ کیا اور نمروڈ کو نثار کے بُت سمیت (باقی اگلے صفحہ پر)

پکارا اٹھا۔ اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔

(بقیہ سابق) پکڑے گئے۔ پھر لرسہ میں ایک ایلاچی حکومت قائم ہوئی جس کے ماتحت اُرکا علاقہ غلام کی حیثیت رکھتا رہا۔ آخر کار ایک عربی نسل خاندان کے ماتحت پابل نے زور پکڑا اور لرسہ اور دونوں کے زیر حکم ہو گئے۔ ان بیسویں تک کیسے اُرکے لوگ عقیدہ مندرجہ ذیل کر دیا کیونکہ وہ ان کی حفاظت تین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ بعد کے ادوار میں حضرت ابراہیم کی تعلیمات کا اثر اس ملک کے لوگوں نے کہاں تک قبول کیا لیکن سال قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ حمورابی دباہیل کے امر فیہ نے جو قوانین مرتب کیے تھے وہ شہادت دیتے ہیں کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کی تمدن میں شکوۃ نبوت کے حاصل کی ہوئی روشنی کسی حد تک فروکار فرماتھی۔ ان قوانین کا مفصل کتبہ سن ۱۸۷۵ء بعد مسیح میں ایک فرانسیسی نقاش آثار قدیمہ کو ملا اور اس کا انگریزی ترجمہ C. H. W. جسٹس نے بعد مسیح میں 'The Code of Law' کے نام سے شائع کیا۔ اس ضابطہ قوانین کے بہت اصول اور نروع موسوی شریعت سے مشابہت رکھتے ہیں۔

یہ اب تک کی اثری تحقیقات کے نتائج اگر صحیح ہیں تو ان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی قوم میں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بت پرستانہ عبادات کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ حقیقتاً ان کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام اسی عقیدہ سے پر مبنی تھا، اور اس کے مقابلہ میں توحید کی جو دعوت حضرت ابراہیم نے دی اس کا اثر صرف بتوں کی پرستش ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی معبودیت اور حاکمیت، پوجاریوں اور اونپے طبقوں کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی حیثیت، اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آتی جاتی تھی۔ اس دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیر ڈالی جائے اور اسے از سر نو توحیدانہ کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کی آواز بلند ہوتے ہی عوام اور خواص، پوجاری اور نرود سب کے سب بیک وقت اس کو دہانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

(عاشیہ صفحہ ۱۱) یہاں حضرت ابراہیم کے اُس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لیے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان جس نے سر اسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہو سکتی تھی، کس طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کر کے اور ان پر غور و فکر اور ان سے صحیح استدلال کر کے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور قوم ابراہیم کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب ہوش سنبھالا تھا تو ان کے گرد و پیش ہر طرف چاند، سورج اور تاروں کی خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر حضرت ابراہیم کی جستجوئے حقیقت کا آغاز اسی سوال سے ہونا چاہیے تھا کہ کیا فی الواقع ان میں سے کوئی رب ہو سکتا ہے؟ اسی مرکزی سوال پر انھوں نے غور و فکر کیا اور آخر کار اپنی قوم کے سارے خداؤں کو ایک مثل قانون کے تحت غلاموں کی طرح گردش کرتے دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ جن جن کے (بانی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

(بقیہ حاشیہ سابق)

رب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان میں سے کسی کے اندر بھی ربوبیت کا ثابہ تک نہیں ہے، رب صرف وہی ایک ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور بندگی پر مجبور کیا۔

اس قصہ کے الفاظ سے عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ جب رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا، اور جب وہ ڈوب گیا تو یہ کہا، پھر چاند دیکھا اور جب وہ ڈوب گیا تو یہ کہا، پھر سورج دیکھا اور جب وہ بھی ڈوب گیا تو یہ کہا، اس پر ایک عام ناظر کے ذہن میں فوراً یہ سوال کھٹکتا ہے کہ کیا بچپن سے آنکھ کھولتے ہی روزانہ حضرت ابراہیم پر رات طاری نہ ہوتی رہی تھی اور کیا وہ ہر روز چاند، تاروں اور سورج کو طلوع و غروب ہوتے دیکھتے تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ غور و فکر تو انہوں نے سن رشد کو پہنچنے کے بعد ہی کیا ہو گا۔ پھر یہ قصہ اس طرح کیوں بیان کیا گیا ہے کہ جب رات ہوئی تو یہ دیکھا اور دن نکلا تو یہ دیکھا؟ گویا اس خاص واقعہ سے پہلے انہیں یہ چیزیں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، حالانکہ ایسا ہونا صریحاً مستعد ہے۔ یہ شبہ بعض لوگوں کے لیے اس قدر ناقابل حل بن گیا کہ اسے دفع کرنے کی کوئی صورت انہیں اس کے ہوا نظر نہ آئی کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش اور پرورش کے متعلق ایک غیر معمولی قصہ تعریف کریں اور اس سے یہ ثابت کریں کہ انتخاب کو قصداً ایک تاریک غار میں پرورش کیا گیا تھا جہاں سن رشد کو پہنچنے تک وہ چاند، تاروں اور سورج کے مشاہدے سے محروم رکھے گئے تھے۔ حالانکہ بات بالکل صاف ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے اس نوعیت کی کسی داستان کی ضرورت نہیں ہے نیوٹن کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے باغ میں ایک سیب کو درخت سے گرتے دیکھا اور اس سے اس کا ذہن اچانک اس سوال کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اشیاء آخر زمین پر ہی کیوں گرا کرتی ہیں، یہاں تک کہ غور کرتے کرتے وہ قانون جذب و کشش کے استنباط تک پہنچ گیا اور اس پید ہوتا ہے کہ کیا اس واقعہ سے پہلے نیوٹن نے کبھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہیں دیکھی تھی؟ ظاہر ہے کہ ضرور دیکھی ہوگی اور بار بار دیکھی ہوگی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسی خاص تاریخ کو سیب گرنے کے مشاہدے سے نیوٹن کے ذہن میں وہ حرکت پیدا ہوئی جو اس سے پہلے روزمرہ کے ایسے سینکڑوں مشاہدات سے نہ ہوتی تھی؟ اس کا جواب اگر کچھ ہو سکتا ہے تو یہی کہ غور و فکر کرنے والا ذہن ہمیشہ ایک طرح کے مشاہدات سے ایک ہی طرح متاثر نہیں ہوا کرتا۔ بار بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے اور اس کے ذہن میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی، مگر ایک وقت اسی چیز کو دیکھ کر یا ایک ذہن میں ایک کھٹک پیدا ہو جاتی ہے جس سے فکر کی قوتیں ایک خاص مضمون کی طرف کام کرنے لگتی ہیں، یا پہلے سے کسی سوال کی تحقیق میں ذہن الجھ رہا ہوتا ہے اور یکایک روزمرہ ہی کے مشاہدات میں سے کسی ایک چیز پر نظر پڑتے ہی گتھی کا وہ سرا ہاتھ لگ جاتا ہے جس سے ساری الجھنیں سلجھتی چلی جاتی ہیں۔ ایسا ہی

(باقی اگلے صفحہ پر)

میں نے تو یک سو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی۔ اس نے کہا ”کیا تم لوگ اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہ راست دکھا دی ہے۔ اور میں تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ اور آخر میں تمہارے

(بقیہ سابق) معاملہ حضرت ابراہیم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ راتیں روزا قی تھیں اور گزر جاتی تھیں سورج اور چاند اور تارے سب ہی آنکھوں کے سامنے ڈوبتے اور ابھرتے رہتے تھے لیکن وہ ایک خاص دن تھا جب ایک تارے کے مشاہدے نے ان کے ذہن کو اس راہ پر ڈال دیا جس سے بالآخر وہ توحید اللہ کی مرکزی حقیقت تک پہنچ کر رہے۔ لیکن ہے کہ حضرت ابراہیم کا ذہن پہلے سے اس سوال پر غور کر رہا ہو کہ جن عقائد پر ساری قوم کا نظام زندگی چل رہا ہے ان میں کس حد تک صداقت ہے، اور پھر ایک تارا یا یکساں سامنے آکر کشود کار کے لیے کلید بن گیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تارے کے مشاہدے ہی سے ذہنی حرکت کی ابتدا ہوئی ہو۔

اسی سلسلہ میں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے تارے کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے اور جب چاند اور سورج کو دیکھ کر انھیں اپنا رب کہا، تو کیا وہ اس وقت عارضی طور پر یہی سمجھ کر میں مبتلا نہ ہو گئے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک طالب حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کر کے ہوئے بیچ کی جن منزلوں پر غور و فکر کے لیے ٹھہرتا ہے، اصل اعتبار ان کا نہیں ہوتا بلکہ اصل اعتبار اس منزل کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدمی کر رہا ہے اور اس آخری منزل کا ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے۔ بیچ کی منزلیں ہر جوئے حق کے لیے ناگزیر ہیں۔ ان پر ٹھہرنا سلسلہ طلب جستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورت فیصلہ۔ اصل یہ ٹھہرنا سلسلہ طلبی و استغنائی ہوا کرتا ہے نہ کہ علمی۔ طالب حیب ان میں سے کسی منزل پر رُک کر کہتا ہے کہ ”ابا ہے“ تو دراصل یہ اس کی اختتامی رائے نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ”ابا ہے؟“ اور تحقیق سے اس کا جواب نفی میں پاکر وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اثنائے راہ میں جہاں جہاں وہ ٹھہرتا رہا وہاں وہ عارضی طور پر کفر یا شرک میں مبتلا رہا۔ اس کوچ کی مثال پر قیاس کرنا چاہیے کہ آدمی جب حج کی نیت سے نکل کھڑا ہوا تو وہ سبیل رب میں ہے اگرچہ وہ راستہ میں کعبہ سے دور ہے جگہ جگہ ٹھہرتا ہی جائے گا جی کہ اس راہ میں اگر وہ کسی جگہ مرجائے تب بھی وہ حج کے ثواب سے محروم نہ رہے گا۔

دعائے صفحہ ۲۵۵: اصل میں لفظ تنگی استعمال ہوا ہے جس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص جو غفلت اور بے لادے میں پڑا ہوا ہو وہ جو کچھ اس چیز کو یاد کرتے ہیں وہ غافل تھا۔ اسی لیے ہم نے اَخْلَاقًا تَنَدًا کس مودن کا یہ ترجمہ کیا ہے حضرت ابراہیم کے ذاتی اگلے صفحہ میں

ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے یس اس نے تم پر کوئی سزا نازل نہیں کی ہے؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی وطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو حقیقت میں تو امن انہی کے لیے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔

یہ بھی ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، ہم جسے چاہتے ہیں بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں حق یہ ہے کہ تمہارا رب نہایت دانا اور علیم ہے۔

پھر ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب حبیبی اولاد دی اور ہر ایک کو راہِ راست دکھائی، وہی راہِ راست جو اس سے پہلے نوح کو دکھائی تھی۔ اور اسی کی نسل سے ہم نے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو رہنمائی

(بقیہ سابق) ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو، تمہارا اصلی و حقیقی رب اس سے بے خبر نہیں ہے، اس کا علم ساری چیزوں پر وسیع ہے، پھر کیا اس عقیدت سے واقف ہو کر بھی تمہیں بوشعش نہ آئے گا؟

(حاشیہ صفحہ ۵۱) سہیر پوری تقریر اس بات پر مشابہ ہے کہ وہ قوم اللہ فاطر السموات والارض کی ہستی کی منکر نہ تھی بلکہ اس کا اصلی حرم اللہ کے ساتھ دوسروں کو خدائی صفات اور خداؤں! نہ حقوق میں شریک قرار دینا تھا۔ اول تو حضرت ابراہیم خود ہی فرما رہے ہیں کہ تم اللہ کے ساتھ دوسری چیزوں کو شریک کرتے ہو۔ دوسرے وہ جس طرح ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، یہ انداز بیان صرف انہی لوگوں کے مقابلہ میں اختیار کیا جاسکتا ہے جو اللہ کے نفیس وجود سے منکر نہ ہوں۔ لہذا ان مفسرین کی رائے درست نہیں ہے جنہوں نے اس مقام پر اور حضرت ابراہیم کے سلسلہ میں دوسرے مقامات پر قرآن کے سیانات کی تفسیر اس مفروضہ پر کی ہے کہ قوم ابراہیم اللہ کی منکر یا اس سے ناواقف تھی اور صرف اپنے معبودوں ہی کو خدائی کا بالائیکہ مالک سمجھتی تھی۔

آخری آیتیں یہ جو فقرہ ہے کہ جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، اس میں لفظ ظلم سے بعض صحابہ کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ شاید اس سے مراد معصیت ہے، لیکن بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تصریح فرمادی کہ دراصل یہاں ظلم سے مراد شریک جو لہذا اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اللہ کو مانیں اور اپنے اس ماننے کو کس شریک کا نہ عقیدہ و عمل سے آلودہ نہ کریں اس صورت انہی کے لیے ہے اور وہی راہِ راست پر ہیں۔

بخشی)، اس طرح ہم نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔ (اسی کی اولاد سے) ذکر کیا گئی، عیسیٰ اور یاس کو (راہ یاب کیا) کہ ہر ایک ان میں سے صلہ تھا۔ (اسی کے خاندان سے) اسماعیل، ایسح، اور یونس اور لوط کو (راستہ دکھایا) اور ان میں سے ہر ایک کو تمام دنیا والوں پر فضیلت عطا کی۔ نیران کے آبا و اجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے بہتوں کو ہم نے نوازا، انھیں اپنی خدمت کے لیے جن لیا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں جو جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہو یا تو ان کو کرب کیا کر یا فارت ہو جائے۔ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی، اب اگر یہ لوگ اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو (پروا نہیں) ہم نے کچھ اور لوگوں کو یہ نعمت سونپ دی ہے جو اس سے منکر نہیں ہیں۔ اے محمد! وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، انھیں کے راستہ پر تم چلو، اور کہہ دو کہ میں (اس تبلیغ و ہدایت کے) کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے۔

۱۱۔ یعنی جس شرک میں تم لوگ مبتلا ہو کر کہیں وہ بھی اسی میں مبتلا ہوئے ہوتے تو یہ مرتبے ہرگز نہ پاسکتے۔ ممکن تھا کہ ان میں سے کوئی کامیاب ہو کہ زنی کر کے فاتح کی حیثیت سے دنیا میں شہرت پالیتا، یا زر پرستی میں کمال پیدا کر کے قارون کا سانام پیدا کر لیتا، یا کسی اور صورت سے دنیا کے بکاروں میں نامور بدکار بن جاتا، لیکن یہ امام ہدایت اور امام المتقین ہونے کا ادبہ دنیا بھر کے لیے خیر و صلاح کا سرچشمہ ہونے کا مقام تو کوئی بھی نہ پاسکتا اگر شرک سے مجتنب و رعاصل خدا پرستی کی راہ پر ثابت قدم نہ ہوتا۔

۱۲۔ یہاں انبیاء علیہم السلام کو نیک چیزیں عطا کیے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک کتاب یعنی اللہ کا ہدایت نامہ۔ دوسرے حکم یعنی اس ہدایت نامہ کا صحیح فہم اور اس کے اصولوں کو معاملات زندگی پر منطبق کرنے کی صلاحیت اور مسائل حیات میں فیصلہ کن راستے قائم کرنے کی خداداد قابلیت۔ تیسرے نبوت یعنی مینصب کہ وہ اس ہدایت نامہ کے مطابق خلق اللہ کی رہنمائی کریں۔ ۱۳۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کافر و مشرک اللہ کی اس ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں تو کر دیں، ہم نے (باقی اگلے صفحہ پر)

ان لوگوں نے اللہ کا بہت غلط اندازہ لگایا جب کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ہے۔ ان سے پوچھو، پھر وہ کتاب جسے موسیٰ لایا تھا، جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی، جسے تم پارہ پارہ کر کے رکھتے ہو، کچھ دکھاتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو، اور جس کے ذریعہ سے تم کو وہ علم دیا گیا جو تمہیں حاصل تھا اور نہ تمہارے باپ دادا کو، آخر اس کا نازل کرنے والا کون تھا؟ — بس اتنا کہہ دو کہ اللہ، پھر انہیں اپنی دلیل بازیوں سے کھیلنے کے لیے چھوڑ دو۔ (اُسی کتاب کی طرح) یہ ایک کتاب ہی

(بقیہ سابق) اہل ایمان کا ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا ہے جو اس نعمت کی قدر کرنے والا ہے۔

(حواشی صفحہ ۵۰) سلسلہ پچھلے سلسلہ بیان اور بعد کی جوابی تقریر سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ قول یہودیوں کا تھا، چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ یہ تھا کہ میں نبی ہوں اور مجھ پر کتاب نازل ہوئی ہے، اس لیے قدرتی طور پر کفار قریش اور دوسرے مشرکین عرب اس دعویٰ کی تحقیق کے لیے یہود و نصاریٰ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے پوچھتے تھے کہ تم بھی اہل کتاب ہو یا پیغمبروں کو مانتے ہو، بناؤ کیا واقعی اس شخص پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے؟ پھر جو کچھ جواب دہ دیتے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سرگرم مخالفین جگہ جگہ بیان کر کے لوگوں کو برگشتہ کرتے پھرتے تھے۔ اسی لیے یہاں یہودیوں کے اس قول کو، جسے مخالفین اسلام نے حجت بنا لیا تھا، نقل کر کے اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

شبہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک یہودی جو خود تورہ کو خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب مانتا ہے، یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ لیکن یہ شبہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ خدا اور بہت دھرمی کی بنا پر بے اوقات آدمی کسی دوسرے کی سچی باتوں کو رد کرنے کے لیے ایسی باتیں بھی کہہ جاتا ہے جن سے خود اس کی اپنی مسئلہ صداقتوں پر بھی زد پڑ جاتی ہے۔ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو رد کرنے پر تلے ہوئے تھے اور اپنی مخالفت کے جوش میں اس قدر اندھے ہو جاتے تھے کہ حضور کی رسالت کی تردید کرتے کرتے خود رسالت ہی کی تردید کر گزرتے تھے۔

اور یہ جو قریب ایک لوگوں نے اللہ کا بہت غلط اندازہ لگایا جب یہ کہا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی حکمت اور اس کی قدرت کا اندازہ کرنے میں غلطی کی ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا نے کسی بشر پر علم حق اور ہدایت نامہ زندگی نازل نہیں کیا ہے وہ یا تو بشر پر نزول وحی کو ناممکن سمجھتا ہے اور یہ خدا کی قدرت کا غلط اندازہ ہے، یا پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ باقی لکھے صفحہ پر

جسے ہم نے نازل کیا ہے، بڑی خیر و برکت والی ہے، اس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی تھی، اور اس لیے نازل کی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم بسببوں کے اس مرکز (یعنی مکہ) اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو منہبہ کرو۔ جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان

(بقیہ سابق) کہ خدا نے انسان کو ذہانت کے ہتھیار اور تصرف کے اختیارات تو دیدیے مگر اس کی صحیح رہنمائی کا کوئی انتظام نہیں کیا بلکہ اسے دنیا میں اندھا و ضلالت کا کام کرنے کے لیے یونہی چھوڑ دیا، اور یہ خدا کی حکمت کا غلط اندازہ ہے۔

۱۔ یہ جواب چونکہ یہودیوں کو دیا جا رہا ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ کے نزول کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کیونکہ وہ خود اس کے قائل تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا تسلیم کرنا کہ حضرت موسیٰ پر توراۃ نازل ہوئی تھی، ان کے اس قول کی آپ کو تردید کر دیتا ہے کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ نیز اس سے کم از کم اتنی بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ بشر پر خدا کا کلام نازل ہو سکتا ہے اور ہو چکا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۱۷۱) ۱۔ پہلی دلیل اس بات کے ثبوت میں تھی کہ بشر پر خدا کا کلام نازل ہو سکتا ہے اور عملاً ہوا بھی ہے۔ اب یہ دوسری دلیل اس بات کے ثبوت میں ہے کہ یہ کلام جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے، یہ خدا ہی کا کلام ہے، اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے چند باتیں شہادت کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ کتاب بڑی خیر و برکت والی ہے، یعنی اس میں انسان کی فلاح و بہبود کے لیے بہترین اصول پیش کیے گئے ہیں۔ عتنا صحیحہ کی تعلیم ہے، بھلائیوں کی ترغیب ہے، اخلاق فاضلہ کی تلقین ہے، پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی ہدایت ہے، اور جہالت، خود غرضی، تنگ نظری، ظلم فحش اور دوسری برائیوں میں سے کسی برائی کا اس میں شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ دوسرے یہ کہ اس سے پہلے خدا کی طرف سے جو ہدایت نامے آئے تھے

یہ کتاب ان سے الگ ہٹ کر کوئی مختلف ہدایت پیش نہیں کرتی بلکہ اسی چیز کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو ان میں پیش کی گئی تھی۔

تیسرے یہ کہ یہ کتاب اسی مقصد کے لیے نازل ہوئی ہے جو ہر زمانہ میں اللہ کی طرف سے کتابوں کے نزول کا مقصد رہا ہے یعنی مختلف میں پڑے ہوئے لوگوں کو جو کانا اور کج روی کے انجام بد سے خبردار کرنا جو تھوڑے کہ اس کتاب کی دعوت نے ان لوگوں کے گرد

میں سے ان لوگوں کو متاثر نہیں کیا جو دنیا پرست اور خواہش نفس کے بندے ہیں بلکہ متاثر انہیں کیا ہے جن کی لظریات دنیا

(باقی اگلے صفحہ پر)

گھڑے، یا کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے درآں حالے کہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو، یا جو اس کی نازل کردہ چیز کے مقابلہ میں کہے کہ میں بھی ایسی چیز نازل کر کے دکھا دوں گا؟ کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکو جب کہ وہ سکرات موت میں ڈکیاں کھا رہے ہوتے ہیں اور قرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ لاؤ، نکالو اپنی جان، آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں دہشت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اللہ پر ہمت رکھ کر ناحق بکا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلہ میں سرکشی دکھاتے تھے۔ (اور اللہ فرمایا) ”لو اب تم ویسے ہی تین تہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پایا کیا تھا، جو کچھ ہم نے تمہیں دینا میں دیا تھا وہ سب پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارے کام بنانے میں ان کا بھی کچھ حصہ ہے، تمہارے آپس کے سب رابطے ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے۔“

دانے اذ گٹھنی کو پھاڑنے والا اللہ ہے، وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے خارج کرتا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے، پھر تم کہہ رہے ہو کہ چلے جا رہے ہو؟ پر وہ شب کو چاک کر کے وہی صبح نکالتا ہے، اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے، اسی نے چاند اور سورج کے طلوع

(بقیہ سابق) کی تنگ سرحدوں سے آگے تک جاتی ہے، اور پھر اس کتاب سے متاثر ہو کر جو انقلاب ان کی زندگی میں رونما ہوا ہے اس کی سبب زیادہ نمایاں علامت یہ ہے کہ وہ انسانوں کے درمیان اپنی خدا پرستی کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ کیا یہ خصوصیات اور یہ نتائج کسی ایسی کتاب کا ہو سکے ہیں جسے کسی جھوٹے انسان نے گھڑ بھابھو اپنی تصنیف کو خدا کی طرف منسوب کر دینے کی انتہائی مجرمانہ جرات تک کر گزیرے؟

(حواشی صفحہ ۱۵) یعنی کسی بات کے متعلق کہہ کر یہ خدا نے فرمائی ہے، درآں حالے کہ فی الواقع وہ خدا نے نہ فرمائی ہو۔

یعنی زمین کی تہوں میں بچ کو پھاڑ کر اس سے درخت کی کوئیل نکالنے والا۔

یعنی زندہ کو مردہ سے نکالنے کا مطلب بے جان مادہ سے زندہ مخلوقات کو پیدا کرنا ہے، اور مردہ کو زندہ سے

خارج کرنے کا مطلب جاندار اجسام میں سے بے جان مادہ کو خارج کرنا۔

وغروب کا حساب مقرر کیا ہے، یہ سب اسی زبردست قدرت و علم رکھنے والے کے ٹھیکرائے ہوئے انداز ہیں۔ اور وہی ہے جس نے تمھارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا دیکھو ہم نے نشائیاں کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے ایک متنفس سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سوئے جانے کی جگہ۔ یہ نشائیاں ہم نے واضح کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات لگائی، پھر اس سے ہرے بھرے کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تہ بزم چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے عجکے پڑتے ہیں، اور انگوڑیوں اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو، ان چیزوں میں نشائیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ اس پر بھی لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا حالانکہ وہ ان کا خالق ہے، اور بے جانے بوجھے اس کے

۱۔ یعنی اس حقیقت کی نشائیاں کہ خدا صرف ایک ہی کوئی دوسرا نہ خدا کی صفات رکھتا ہے، نہ خدا کی اختیارات میں حصہ دار ہے، اور نہ خدا کی حقوت میں سے کسی حق کا تقبی ہے۔ مگر ان نشانیوں اور علامتوں کی حقیقت تک پہنچنا جاہلوں کے بس کی بات نہیں، اس دولت کو بہرہ ور صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو علی طریق یرا انار کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔
۲۔ یعنی نسل انسانی کی ابتداء ایک متنفس سے کی۔

۳۔ یعنی نوع انسانی کی تخلیق، اور وسائل کے ذریعہ سے اس کی افزائش، اور رحم مادر میں نشانی بچہ کا نطفہ قرار پاجانے کے بعد سے زمین میں اس کے سوئے جانے تک اس کی زندگی کے مختلف اطوار پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس میں بے شمار کھلی کھلی نشائیاں آدمی کے سامنے آئیں گی جن سے وہ اس حقیقت کو پہچان سکتا ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ مگر ان نشانیوں کی معرفت حاصل کرنا انھی لوگوں کا کام ہے جو کچھ بوجھ سے کام لیں۔ جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنے والے، جو صرف اپنی خواہشات سے اور انھیں پورا کرنے کی تمبیروں ہی سے غرض رکھتے ہیں، ان نشانیوں میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے۔
(رہائی اگلے صفحہ پر)

یہ بیٹے اور بیٹیاں تصنیف کر دیں حالانکہ وہ پاک اور بالائزہ سے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں ۵ وہ تو آسمانوں اور زمین کا مجموعہ ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اس کی کوئی شریک زندگی ہی نہیں ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، کوئی اللہ اس کے سوا نہیں، ہر چیز کا خالق، لہذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا کفیل ہے۔ نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک میں اور باخبر ہے۔

دیکھو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بعیرت کی روشنیاں آگئی ہیں، اب جو مینائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھ صابنے کا خود نقصان اٹھائے گا، میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں۔ اس طرح ہم اپنی آیات کو بار بار مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ کہیں تم کسی سے پڑھ آئے ہو، اور جو لوگ علم رکھتے ہیں ان پر ہم حقیقت کو روشن کر دیں۔ اے محمد! تمہارے

(بقیہ سابق) اللہ یعنی اپنے دیم و گمان سے یہ ظہیر یا کہ کائنات کے انتظام میں اور انسان کی قسمت کے بنانے اور بگاڑنے میں اللہ کے ساتھ دوسری پوشیدہ ہستیاں بھی شریک ہیں، کوئی بارش کا دیوتا ہے تو کوئی رویندگی کا، کوئی دولت کی دیوی ہے تو کوئی بیماری کی۔ وغیرہ انک من الحرافات۔ اس قسم کے نواح عقائد دنیا کی تمام مشرک قوموں میں ارداع اور شیطاں اور راکشسوں اور دیوتاؤں اور دیویوں کے متعلق پائے جاتے رہے ہیں۔

(حواشی صفحہ ۳۴۸) سہ جہلائے عرب فرشتوں کو خدا یا بیٹیاں کہتے تھے۔ اسی طرح دنیا کی دوسری قوموں نے بھی خدا سے سلسلہ نسب چلایا ہے اور پھر دیوتاؤں اور دیویوں کی۔ یک پوری نسل اپنے دیم سے پیدا کر دی ہے۔

تنبہ یہ فقرہ اگرچہ اللہ ہی کا کلام ہے مگر نبی کی طرف سے ادا ہو رہا ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح مخاطب بار بار بدلتے ہیں کہ کبھی نبی سے خطاب ہوتا ہے، کبھی اہل ایمان سے، کبھی اہل کتاب سے، کبھی کفار و مشرکین سے، کبھی قریش کے لوگوں سے، کبھی اہل عرب سے اور کبھی عام انسانوں سے، حالانکہ اصل غرض پوری نسل انسان کی ہدایت ہے۔ اسی طرح حکم بھی بار بار بدلتے ہیں کہ کہیں مستحکم خدا خود ہوتا ہے، کہیں وحی لانے والا فرشتہ، کہیں فرشتوں کا گروہ، کہیں نبی، اور کہیں اہل ایمان، حالانکہ ان سب صورتوں میں کلام وہی ایک خدا کا کلام ہوتا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

رب کی طرف سے جو وحی نازل کی گئی ہے اس کی پیروی کر دے اس کے سوا کوئی اللہ نہیں، اور مشرکوں سے منہ موڑ لو۔ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو (وہ خود ایسا بند و بست کر سکتا تھا کہ) یہ شرک نہ کرتے۔ تم کہہ رہے ہو کہ ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو۔ اور (اے ایمان لائے والو!) یہ لوگ اللہ

(بقیہ سابق) میں تم پر پاسبان نہیں ہوں! اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرا کام اس روشنی کو تمہارے سامنے پیش کر دینا ہے، اس کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھنا یا نہ دیکھنا تمہارا اپنا کام ہے، میرے پیرویہ خدمت نہیں کی گئی ہے کہ جنہوں نے خود آنکھیں بند کر رکھی ہیں ان کی آنکھیں زبردستی کھولوں اور جو کچھ وہ نہیں دیکھتے وہ انہیں دکھا کر ہی چھوڑ دوں۔

سہ ماہی بات ہے جو سورہ بقرہ رکوع ۳ میں فرمائی گئی ہے کہ پھر اور مکرری وغیرہ چیزوں کی مثالیں سن کر حق کے طالب تو اس صداقت کو پالیتے ہیں جو ان مثالوں کے پیرایہ میں بیان ہوتی ہے مگر جن پر انکار کا تعصب مسلط ہے وہ فتنے سے کہتے ہیں کہ بھلا اللہ کے کلام میں ان حقیر چیزوں کے ذکر کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ اسی مضمون کو یہاں ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اور کہنے کا مدعا یہ ہے کہ یہ کلام لوگوں کے لیے آزمائش بن گیا ہے جس سے کھوٹے اور کھرے انسان حقیر ہو جاتے ہیں۔ ایک طرح کے انسان وہ ہیں جو اس کلام کو سن کر یا پڑھ کر اس کے مقصد و مدعا پر غور کرتے ہیں اور جو حکمت و نصیحت کی باتیں اس میں فرمائی گئی ہیں ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بخلاف اس کے ایک دوسری طرح کے انسانوں کا حال یہ ہے کہ اسے سننے اور چمکنے کے بعد ان کا ذہن مغر کلام کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اس ٹٹول میں لگ جاتا ہے کہ آخر یہ اُمّی انسان یہ مضامین لایا کہاں سے ہے، اور چونکہ مخالفانہ تعصب پہلے سے ان کے دل پر قبضہ کیے ہوئے ہوتا ہے اس لیے ایک خدا کی طرف سے نازل شدہ ہونے کے امکان کو چھوڑ کر باقی تمام ممکن تصور سوتیں وہ اپنے ذہن سے تجویز کرتے ہیں اور انہیں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے اس کتاب کے ماخذ کی تحقیق کرنی ہے۔

(حواشی صفحہ ۱۸) سہ ماہی یہ ہے کہ انہیں داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے، کو تو ال نہیں بنایا گیا۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کر دو اور اظہار حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حق گفتی کسر اٹھانہ دکھو۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے۔ ہم کو نہ اس کام پر پامور کیا گیا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی رہو، اور نہ تمہاری ذمہ داری وجوہ ہے کہ تمہارے حلقہ نبوت میں کوئی شخص باطل پرست رہ جائے۔ لہذا اس فکر میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو کہ انہوں کو کس طرح مینا بنایا جائے اور جو آنکھیں کھول کر نہیں دیکھنا چاہتے انہیں کیسے دکھایا جائے۔ اگر فی الواقع حکمت الہی کا تقاضا یہی ہوتا کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہے یا جادوئی لکھنوی

کے بوجہ کو پکارتے ہیں انہیں تم گایاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گایاں دینے لگیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے، پھر انہیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر آنا ہے، اُس وقت وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔

یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ہمارے سامنے آجائے تو ہم اس پر ایمان

(بقیہ سابق) تو اللہ کو یہ کام تم سے لینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس کا ایک ہی ٹکڑی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست نہ بنا سکتا تھا؟ مگر وہاں تو مقصود دوسرے سے یہ ہے ہی نہیں مقصود تو یہ ہے کہ انسان کے لیے حق اور باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور پھر حق کی روشنی اس کے سامنے پیش کر کے اس کی آزمائش کی جائے۔ وہ دونوں چیزوں میں سے کس کو انتخاب کرتا ہے۔ پس تمہارے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ جو روشنی تمہیں دکھا دی گئی ہے اس کے اُجالے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتے رہو، جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں انہیں سینے سے لگاؤ اور ان کا ساتھ نہ چھوڑو خواہ وہ دنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں، اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑو جس انجام بد کی طرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مصروف ہیں اس کی طرف جانے کے لیے انہیں پھوڑ دو۔

(حواشی صفحہ ۱۷۱) سیدہ یحیٰ بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں کو کی گئی ہے کہ اپنی تبلیغ کے جو شر میں وہ بھی اتنے بے قابو نہ ہو جائیں کہ مناظرے اور بحث جنگرا کی راہ پر بڑھتے بڑھتے غیر مسلموں کے عقائد پر سخت حملے کرنے اور ان کے حیثی اؤں اور مجبودوں کو گالیاں دینے تک کی نوبت نہ پہنچ جائے، کیونکہ یہ چیز ان کو حق سے قریب لانے کے بجائے اور زیاہ دور پھینک دے گی۔

سیدہ بہاں پھر اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا چاہیے جس کی طرف اس سے پہلے بھی ہم اپنے حواشی میں اشارہ کر چکے ہیں کہ جو امور قوانین فطرت کے تحت رونما ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنا فعل قرار دیتا ہے کیونکہ وہی ان قوانین کا مقرر کرنے والا ہے اور جو کچھ ان قوانین کے تحت رونما ہوتا ہے وہ اسی کے امر سے رونما ہوتا ہے جس بات کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے کہ ہم نے ایسا کیا ہے، اسی کو اگر ہم انسان بیان کریں تو اس طرح کہیں گے کہ فطرۃ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

سیدہ نشانی سے مراد کوئی ایسا مرتع محسوس مجزہ ہے جسے دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپ کے مامورین اللہ ہونے کو مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔

لے آئیں گے۔ اے محمد! ان سے کہو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں، اور تمہیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں آج بھی جائیں تو یہ ایمان لاتے دے نہیں۔ ہم اسی طرح ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے، ہم انہیں ان کی سرکشی ہی میں پھنکنے کے لیے چھوڑے دیتے ہیں؟ اگر ہم قریشتے بھی ان پر نازل کر دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا یہ کہ مشیت الہی یہی ہو کہ وہ ایمان لائیں، مگر اکثر لوگ نادانی کی باتیں کرتے ہیں۔ اور ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہرنی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے پر خوش آئند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے رہے ہیں۔ اگر تمہارے

سہ یعنی نشانوں کے پیش کرنے اور بنالانے کی قدرت مجھے حاصل نہیں ہے، ان کا اختیار تو اللہ کو ہے۔ چاہے تو دکھائے اور نہ چاہے تو نہ دکھائے۔

سہ خطابے لمانوں سے ہے جو بے تاب ہو ہو کر نہا کرتے تھے اور کبھی کبھی زبان سے بھی اس خواہش کا اظہار کر دیتے تھے کہ کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو جائے جس سے ان کے گمراہ بھائی راہ راست پر آجائیں۔ ان کی اسی تمنا اور خواہش کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ آخر تمہیں کس طرح سمجھایا جائے کہ ان لوگوں کا ایمان لانا کسی نشانی کے ظہور پر موقوف نہیں ہے۔

سہ یعنی ان کے اندرونی ذہنیت کا مکے جا رہی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے پہلی مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سن کر اسے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے نقطہ نظر میں ابھی تک کئی تغیر واقع نہیں ہوا ہے۔ وہی عقل کا پھیر اور نظر کا بھیٹنا ہے جو انہیں اس وقت صبح سمجھنے اور صبح دیکھنے سے روک رہا تھا آج بھی ان پر اسی طرح مسلط ہے۔

سہ یعنی اپنے اختیار و انتخاب سے تو حق کو باطل کے مقابلہ میں ترجیح دے کر قبول کرنے والے نہیں ہیں، البتہ ان کے حق پرست بننے کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہے اور وہ یہ کہ عمل تخلیق و تکوین سے جس طرح تمام بے اختیار مخلوقات کو حق پرست پیدا کیا گیا ہے اسی طرح انہیں بھی بے اختیار کر کے جلی دپید انہی حق پرست بنا ڈالا جائے۔ مگر یہ اس حکمت کے خلاف ہے جس کے تحت اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ لہذا تمہارا یہ توقع کرنا فضول ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اپنی تکوینی مداخلت سے ان کو مومن بنائے گا۔

سہ یعنی آج اگر شیاطین جن و انس متفق ہو کر تمہارے مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو گھبرانے کی کوئی بات (باقی اگلے صفحہ پر)

رب کی مشیت یہ ہوتی کہ وہ ایسا نہ کریں تو وہ کبھی نہ کرتے۔ پس تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کہ اپنی افترا

(بقیہ سابق) نہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو تمہارے ہی ساتھ پیش آرہی ہو۔ ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی پیغمبر دنیا کو راہ راست دکھانے کے لیے اٹھا تو تمام شیطانی قوتیں اس کے مشن کو ناکام کرنے کے لیے کمر بستہ ہو گئیں۔

”خوش آئند باتوں“ سے مراد وہ تمام چالیں اور تدبیریں اور شکوک و شبہات و اعتراضات ہیں جن سے یہ لوگ عوام کو داعی حق اور اس کی دعوت کے خلاف بھڑکانے اور اُکسانے کا کام لیتے ہیں، اور ان سب کو بحیثیت مجموعی دھوکے اور فریب سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ حق سے روٹنے کے لیے جو بھیار بھی حق ٹھین حق استعمال کرتے ہیں وہ نہ صرف دوسروں کے لیے بلکہ خود ان کے لیے بھی حقیقت کے اعتبار سے محض ایک دھوکا ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر وہ ان کو نہایت مفید اور کامیاب بھیار نظر آتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ۵۱) اے یہاں ہماری سابق تشریحات کے علاوہ یہ حقیقت بھی اچھی طرح ذہن نشین ہونی چاہیے کہ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضا میں بہت بڑا فرق ہے جس کو نظر انداز کر دینے سے بالعموم شدید غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں۔ کسی چیز کا اللہ کی مشیت اور اس کے اذن کے تحت نہ ہونا لازمی طور پر یہ معنی نہیں رکھتا کہ اللہ اس سے راضی بھی ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی واقعہ کبھی صدور میں نہیں آتا جب تک اللہ اس کے صدور کا اذن نہ دے اور اپنی عظیم الشان حکیم میں اس کے صدور کی گنجائش نہ نکالے اور اسباب کو اس حد تک مساعد نہ کرے کہ وہ واقعہ صادر ہو سکے۔ کسی چور کی چوری، کسی قاتل کا قتل، کسی ظالم و مفسد کا ظلم و فساد اور کسی کافر و مشرک کا کفر و شرک اللہ کی مشیت کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اسی طرح کسی مومن اور کسی متقی انسان کا ایمان و تقویٰ بھی مشیت الہی کے بغیر محال ہے۔ دونوں قسم کے واقعات یکساں طور پر مشیت کے تحت رونما ہوتے ہیں، مگر پہلی قسم کے واقعات سے اللہ راضی نہیں ہے اور اس کے برعکس دوسری قسم کے واقعات کو اس کی رضا اور اس کی پسندیدگی و محبوبیت کی منہ حاصل ہے۔ اگرچہ آخر کار کسی خیر عظیم ہی کے لیے فرمانروائے کائنات کی مشیت کام کر رہی ہے، لیکن اُس خیر عظیم کے ظہور کا راستہ نور و ظلمت، خیر و شر اور صلاح و فساد کی مختلف قوتوں کے ایک دوسرے کے مقابلہ میں نبرد آزما ہونے ہی سے صاف ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی بزرگ تر مصلحتوں کی بنا پر وہ طاعت و محبت، ابراہیمیت اور نبرودیت، موسویت اور فرعونیت، آدمیت اور شیطانیت، دونوں کو اپنا اپنا کام کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اس نے اپنی ذی اختیار مخلوق (جن اور انسان) کو خیر اور شر میں سے کسی ایک کے انتخاب کر لینے کی آزادی عطا کر دی ہے۔ جو چاہے اس کا راہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

پر دازیاں کرتے رہیں (یہ سب کچھ ہم انہیں اسی لیے کرنے دے رہے ہیں کہ) جو لیگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل اس (خوشنما دھونکے) کی طرف مائل ہوں اور وہ اس سے راضی ہو جائیں اور انہی گرائیوں کا اکتساب کریں جن کا اکتساب وہ کر رہے ہیں — پھر جب حال یہ ہے تو کیا میں اللہ کے مہربانوں اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کر دی ہے — اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب ہی

(بقیہ سابق) عالم میں اپنے لیے خیر کا کام پسند کر لے اور جو چاہے شر کا کام۔ دونوں قسم کے کارکنوں کو جس حد تک خدا تعالیٰ چاہے اجازت دیتی ہیں، اسباب کی تائید نصیب ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کی رضا اور اس کی پسندیدگی صرف خیر ہی کے لیے کام کرنے والوں کو حاصل ہے اور بلاشبہ کو محبوب یہی بات ہے کہ اس کے بندے اپنی آزادی انتخاب سے فائدہ اٹھا کر خیر کو اختیار کریں نہ کہ شر کو۔

اس کے ساتھ یہ بات اور سمجھ لی جانی چاہیے کہ یہ جو اللہ تعالیٰ دشمنان حق کی مخالفت کا کارروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی مشیت کا بار بار حوالہ دیتا ہے اس سے مقصود دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذریعے سے اہل ایمان کو یہ سمجھانا ہے کہ تمہارے کام کی نوعیت فرشتوں کے کام کی سی نہیں ہے جو کسی مزاحمت کے بغیر احکام الہی کی تعمیل کر رہے ہیں بلکہ تمہارا اہل کام شریروں اور باغیوں کے مقابلہ میں اللہ کے پسند کردہ طریقہ کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔ اللہ اپنی مشیت کے تحت اُن لوگوں کو بھی کام کرنے کا موقع دے رہا ہے جنہوں نے اپنی سعی و جہد کے لیے خود اللہ سے بغاوت کے راستے کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح وہ تم کو بھی انہوں نے طاعت و بندگی کے راستے کو اختیار کیا ہے، کام کرنے کا پورا موقع دیتا ہے۔ اگرچہ اس کی رضا اور ہدایت و رہنمائی اور تائید و نصرت تمہارے ہی ساتھ ہے، کیونکہ تم اُس پہلو میں کام کر رہے جسے وہ پسند کرتا ہے، لیکن تمہیں یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی فوق الفطری مداخلت سے اُن لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دے گا جو ایمان نہیں لانا چاہتے، یا اُن شیاطین جن دانش کو زبردستی تمہارے راستہ سے ہٹا دے گا جنہوں نے اپنے دل و دماغ اور دست و پا کی قوت کو اور اپنے وسائل و ذرائع کو حق کی راہ روکنے کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ نہیں، اگر تم نے واقعی حق اور نیکی اور صداقت کے لیے کام کرنے کا عزم کیا ہے تو تمہیں باطل پرستوں کے مقابلہ میں سخت کش اور جدوجہد کر کے اپنی حق پرستی کا ثبوت دینی اگلے صفحہ پر)

کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے لہذا تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔ تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اور اے محمد! اگر تم اُن لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے، وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آریاں کرتے ہیں۔ درحقیقت تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور کون سیدھی راہ پر ہے۔

پھر اگر تم لوگ اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کا گوشت کھاؤ۔

(یقینہ سابق) دینا ہو گا۔ ورنہ مجرموں کے زور سے باطل کو مٹانا اور حق کو غالب کرنا ہوتا تو تمہاری ضرورت ہی کیا تھی، اللہ خود ایسا انتظام کر سکتا تھا کہ دنیا میں کوئی شیطان نہ ہو یا اور کسی شرک و کفر کے ظہور کا امکان نہ ہوتا۔

(حاشیہ صفحہ ۲۵۳) ۱۔ اس فقرہ میں مکمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرما رہا ہے کہ ان سب باتوں کے بعد اب تم لوگوں سے کہو کہ جب اللہ نے اپنی کتاب میں صاف صاف تمام حقیقتیں بیان کر دی ہیں اور یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ فوق انظری مداخلت کے بغیر حق پرستوں کو فطری طریقوں ہی سے غلبہ حق کی جدوجہد کرنی ہوگی، تو کیا اب میں اللہ کے سوا کوئی اور ایسا صاحب مداخلت کروں جو اللہ کے اس فیصلہ پر نظر ثانی کر کے کچھ دوسرا فیصلہ صادر کرے۔

(حاشیہ صفحہ ۲۵۴) ۲۔ یعنی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو واقعات کی توجیہ میں آج گھڑی گئی ہو۔ تمام وہ لوگ جو کتب سماوی کا علم رکھتے ہیں اور جنہیں انبیاء علیہم السلام کے مشن سے واقفیت حاصل ہے، اس بات کی شہادت دیں گے کہ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے ٹھیک ٹھیک ابرحق ہے اور وہ ازلی وابدی حقیقت ہے جس میں کبھی فرق نہیں آیا ہے۔

۳۔ یعنی بیشتر لوگ جو دنیا میں بستے ہیں علم کے بجائے قیاس و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کے عقائد، تخیلات فلسفہ، اصول زندگی، اور قوانین عمل سب کے سب قیاس آریوں پر مبنی ہیں۔ بخلاف اس کے اللہ کا راستہ، یعنی دنیا میں زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ جو اللہ کی رضا کے مطابق ہے، لازماً صرف وہی ایک ہے جس کا علم اللہ نے خود دیا ہے نہ کہ دوسروں کو لوگوں نے بطور خود اپنے قیاسات سے تجویز کر لیا ہے۔ لہذا کسی طالب حق کو یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ دنیا کے بیشتر انسان (باقی اگلے صفحہ پر)

آخر کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، حالانکہ جن چیزوں کا استعمال حالت اضطراب کے سوا دوسری تمام حالتوں میں اللہ نے حرام کر دیا ہے ان کی تفصیل دیکھیں بتا چکا ہے۔ بکثرت لوگوں کا حال یہ ہے کہ علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بنا پر گمراہ کن باتیں کرتے ہیں، ان حد سے گزرنے والوں کو تمھارا رب خوب جانتا ہے۔ تم کھلے گناہوں سے بھی بچو اور چھپے گناہوں سے بھی، جو لوگ گناہ کا اکتساب کرتے ہیں وہ اپنی اس کمائی کا بدلہ پا کر رہیں گے۔ اور جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ کہ ایسا کر ناسق ہے۔ شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات افکار کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں، لیکن اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو۔

کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر تم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ

(بقیہ سابق) کس راستہ پر جا رہے ہیں بلکہ اسے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ پر چلنا چاہیے جو اللہ نے بتائی ہے۔

۱۱۔ من بعد ان غلط طریقوں کے جو اکثر اہل زمین نے بطور خود قیاس و گمان سے تجویز کر لیے اور جنہیں مذہبی حدود و قیود کی حاشیت حاصل ہو گئی، ایک وہ پابندیاں بھی ہیں جو کھانے پینے کی چیزوں میں مختلف قوموں کے درمیان پائی جاتی ہیں۔ بعض چیزوں کو لوگوں نے آپ ہی آپ حلال قرار دے لیا ہے حالانکہ اللہ کی نظر میں وہ حرام ہیں، اور بعض چیزوں کو انھوں نے خود حرام ٹھہرا لیا ہے حالانکہ اللہ نے انھیں حلال کیا ہے خصوصیت کے ساتھ سب سے زیادہ جاہلانہ بات جس پر پہلے بھی بعض گروہ مصر میں، وہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر جو جانور ذبح کیا جائے وہ تو ان کے نزدیک ناجائز ہے اور اللہ کے نام کے بغیر جیسے ذبح کیا جائے وہ بالکل جائز ہے۔ اسی کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ یہاں مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس کے حکم کو مانتے ہو تو ان تمام اوبام اور تعصبات کو چھوڑ دو جو کفار و مشرکین میں پائے جاتے ہیں، ان سب پابندیوں کو توڑ دو جو خدا کی ہدایت کو بے نیاز ہو کر لوگوں نے خود مان کر رکھی ہیں، حرام صرف اسی چیز کو سمجھو جسے خدا نے حرام کیا ہے اور حلال اسی کو ٹھہراؤ جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔

(حواشی صفحہ ۱۱) ۱۱۔ یعنی ایک طرف اللہ کی خداوندی کا اقرار کرنا اور دوسری طرف اللہ سے پھرے ہوئے لوگوں کے امر و نہی اور اور حدود و حلال و حرام کی پابندی بھی کرنا، مشرک ہے۔ توحید یہ ہے کہ زندگی سراسر اللہ کی اطاعت میں بسر ہو۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح اُن سے نہ نکلتا ہو؟ کافروں کے لیے تو اسی طرح ان کے اعمال خوشنما بنا دیے گئے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہرستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو لگا دیا ہے کہ وہاں اپنے مکر و فریب کا جال پھیلایں۔ دراصل وہ اپنے فریب کے جال میں آپ پھنستے ہیں، مگر انھیں اس کا شعور نہیں ہے۔

جب ان کے سامنے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ”ہم نہ مانیں گے جب تک کہ وہ چیز خود ہم کو نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔“ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔ قریب ہے وہ وقت جب یہ مجرم اپنی مکاریوں کی پاداش میں اللہ کے ہاں ذلت و سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔

(بقیہ سابق) اللہ کے ساتھ اگر دوسروں کو اعتقاداً مستقل بالذات مطاع مان لیا جائے تو یہ اعتقاد ہی شرک ہے، اور اگر عملاً ایسے لوگوں کی اطاعت کی جائے جو اللہ کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر خود امر و نہی کے مختار بن گئے ہوں تو یہ عملی شرک ہے۔

مگر یہاں موت سے مراد جہالت و بے شعوری کی حالت ہے، اور زندگی سے مراد علم و ادراک اور حقیقت شناسی کی حالت۔ جس شخص کو صحیح اور غلط کی تمیز نہیں اور جسے معلوم نہیں کہ راہِ راست کیا ہے وہ طبیعیات کے نقطہ نظر سے چاہے ذی حیات ہو مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کو انسانیت کی زندگی میسر نہیں ہے۔ وہ زندہ حیوان تو ضرور ہے مگر زندہ انسان نہیں۔ زندہ انسان درحقیقت صرف وہ شخص ہے جسے عقل اور بطل، نیکی اور بدی، راستی اور ناستی کا شعور حاصل ہے۔

(حواشی صفحہ ۴۵۶) یعنی تم کس طرح یہ توقع کر سکتے ہو کہ جس انسان کو انسانیت کا شعور نصیب ہو چکا ہے اور جو علم کی روشنی میں ٹیڑھے راستوں کے درمیان حق کی سیدھی راہ کو صاف دیکھ رہا ہے وہ ان بے شعور لوگوں کی طرح دنیا میں زندگی بسر کرے گا جو نادانی و جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

مگر یعنی جن لوگوں کے سامنے روشنی پیش کی جائے اور وہ اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیں انھیں راہِ راست کی طرف دعوت دی جائے اور وہ اپنے ٹیڑھے راستوں ہی پر چلتے رہنے کو ترجیح دیں اُن کے لیے اللہ کا قانون یہی ہے کہ پھر انھیں تاریکی ہی (یعنی معلوم ہونے لگتی ہے، وہ اندھوں کی طرح ٹٹول ٹٹول کر چلنا اور ٹٹو کریں کھا کھا کر گریبا ہی پسند کرتے ہیں۔ ان کو جھاڑیاں ہی (باقی اگلے صفحہ پر)

پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے الہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھیجتا ہے کہ (اس کا تصور کرتے ہی) اسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ اس طرح الہ (حق سے فرار اور نفرت کی) ناپاکی ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے، حالانکہ یہ راستہ تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے اور اس کے نشانات ان لوگوں کے لیے واضح کر دیے گئے ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہ ان کا سر پرست ہے اُس صبح طرز عمل کی وجہ سے جو انھوں نے اختیار کیا۔

جس روز اللہ ان سب لوگوں کو گھیر کر جمع کرے گا، اس روز وہ جنوں سے خطاب کر کے فرمائے گا کہ ”اے گروہ جن! تم نے تو نوب انسان پر خوب ہاتھ صاف کیا“ انسانوں میں سے جو اُن کے رفیق تھے وہ عرض کریں گے ”پروردگار! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو خوب استعمال کیا ہے اور اب ہم اس وقت

(بقیہ سابق) باغ و کاٹھے ہی پھول نظر آتے ہیں، انھیں ہریدکاری میں فرا آتا ہے، ہر طاقت کو وہ تحقیق سمجھتے ہیں، اور ہر فائدہ گنہ تجربہ کے بعد اس سے بڑھ کر دوسرے فائدہ گنہ تجربہ کے لیے وہ اس امید پر تیار ہو جاتے ہیں کہ پہلے اتفاق سے دیکھتے ہوئے ان کا پر ہاتھ پڑ گیا تھا تو اب کے عمل بخشاں ہاتھ آ جائے گا۔

تھے یعنی ہم رسولوں کے اس بیان پر ایمان نہیں لائیں گے کہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور خدا کا پیغام لایا، بلکہ ہم صرف اسی وقت ایمان لا سکتے ہیں جب کہ فرشتہ خود ہمارے پاس آئے اور براہ راست ہم سے کہے کہ یہ اللہ کا پیغام ہے۔ (حواشی صفحہ ۲۵) اللہ سینہ کھول دینے سے مراد اسلام کی صداقت پر پوری طرح مطمئن کر دینا اور شکوک و شبہات اور تذبذب و تردد کو دور کر دینا ہے۔

”سلامتی کا گھر“ یعنی جنت جہاں انسان ہر آفت سے محفوظ اور ہر خرابی سے مامون ہوگا۔

”یہاں جنوں سے مراد شیاطین جن ہیں۔“

”یعنی ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے ناجائز فائدے اٹھائے ہیں، ہر ایک دوسرے کو (باقی اگلے صفحہ پر)

پر آپہنچے ہیں جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر دیا تھا۔" اللہ فرمائے گا "اچھا اب آگ تمہارا ٹھکانا ہے، اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔" اس سے کہیں گے صرف وہی جہنمیں اللہ بچانا چاہے گا، بے شک تمہارا رب دانا اور علیم ہے۔ دیکھو، اس طرح ہم (آخرت میں) ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنائیں گے اُس کمائی کی وجہ سے جو وہ (دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر) کرتے تھے۔ (اس موقع پر اللہ ان سے یہ بھی پوچھے گا کہ) "اے گروہ جن وانس! کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے؟" وہ کہیں گے "ہاں! ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں۔" آج دنیا کی زندگی نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے، مگر اُس وقت وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ (یہ شہادت ان سے اس لیے لی جائے گی کہ یہ ثابت ہو جائے کہ) تمہارا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ تباہ کرنے والا نہ تھا جبکہ ان کے باشندے حقیقت سے ناواقف ہوں۔

(یقیناً سابق) فریب میں مبتلا کر کے اپنی خواہشات پوری کرتا رہا ہے۔

(حواشی صفحہ ۵۸) ۱۔ یعنی اگرچہ اللہ کو اختیار ہے کہ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے، مگر یہ سزا اور معافی بلا وجہ معقول مجرور خواہش کی بنا پر نہیں ہوگی بلکہ علم اور حکمت پر مبنی ہوگی۔ حسد و امواف اسی مجرم کو کرے گا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ وہ خود اپنے جرم کا ذمہ دار نہیں ہے اور جس کے متعلق اس کی حکمت یہ فیصلہ کرے گی کہ اسے سزا نہ دی جانی چاہیے۔

۲۔ یعنی جس طرح وہ دنیا میں گناہ سمیٹنے اور برائیوں کا اکتساب کرنے میں ایک دوسرے کے شریک تھے اسی طرح آخرت کی سزا پانے میں بھی وہ ایک دوسرے کے شریکِ حال ہوں گے۔

۳۔ یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ کی طرف سے رسول پر رسول آتے اور ہمیں حقیقت سے خبردار کرتے رہے، مگر یہ ہمارا اپنا قصور تھا کہ ہم نے ان کی بات نہ مانی۔

۴۔ یعنی بے خبر اور ناواقف نہ تھے بلکہ کافر تھے، حتیٰ اُن تک پہنچا اور انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے لحاظ سے ہے اور تمہارا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ تمہارا رب بے نیاز ہے اور ہر بات اس کا شیوہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے جس طرح اس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اٹھایا ہے۔

(بقیہ سابق) ۱۰ یعنی اللہ اپنے بندوں کو اپنے مقابلہ میں یہ حجت پیش کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا کہ آپ نے ہمیں حقیقت سے آگاہ نہ کیا، ہمیں صحیح راستہ بتانے کا کوئی انتظام نہ فرمایا، اور جب نادانانہ حقیقت کی بنا پر ہم غلط راہ پر چلے تو ہمیں پکڑ دیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنی کتابیں بھیج کر پہلے ہی جن و انس کو حقیقت سے خبردار کرنے کا پورا انتظام کر دیا ہے۔ اب اگر لوگ غلط راستوں پر چلتے ہیں اور اعدان کو سزا دیتا ہے تو اس کا احترام خود ان پر ہے نہ کہ اللہ پر

(حاشیہ صفحہ ۵۸) ۱۱ ”تمہارا رب بے نیاز ہے“ یعنی اس کی کوئی غرض تم سے ملتی ہوئی نہیں ہے، اس کا کوئی مفاد تم کو وابستہ نہیں ہے کہ تمہاری نافرمانی سے اس کا کچھ بگڑ جاتا ہو یا تمہاری فرماں برداری سے اس کو کوئی فائدہ پہنچ جاتا ہو۔ تم سب مل کر سخت نافرمان بن جاؤ تو اس کی بادشاہی میں ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتے اور سب کے سب مل کر اس کے مطیع فرمان اور عبادت گزار بن جاؤ تو اس کے ملک میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ وہ نہ تمہاری سلامیوں کا محتاج ہے اور نہ تمہاری نذر و نیاز کا۔ اپنے بے شمار خزانے تم پر لٹا رہا ہے بغیر اس کے کہ ان کے بدلہ میں اپنے لیے تم سے کچھ چاہے۔

”ہر بات اس کا شیوہ ہے“ یہاں تک محکمہ کے اس فقرے کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا رب تم کو راہِ راست پر چلنے کی جو حقیقت نفع لاسری کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرنے سے جو منع کرتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تمہاری راست روی اس کے لیے نافع اور غلط روی اس کے لیے نقصان دہ ہے، بلکہ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ راست روی میں تمہارا اپنا فائدہ اور غلط روی میں تمہارا اپنا نقصان ہے، اس لیے یہ سراسر اس کی ہر بات ہے کہ وہ تمہیں اس صحیح طرزِ عمل کی تعلیم دیتا ہے جس سے تم بلند مدارج تک ترقی کرنے کے قابل بن سکتے ہو اور اس غلط طرزِ عمل سے روکتا ہو جس کی بدولت تم پست مراتب کی طرف تنزل کرتے ہو۔ دوسرے یہ کہ تمہارا رب سخت گیر نہیں ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے اور تم خدا کو عاجز کر دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اے محمد! کہہ دو کہ لوگو! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور میں بھی اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار کس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔

(بقیہ سابق) تم کو سزا دینے میں اسے کوئی لطف نہیں آتا ہے، وہ تمہیں پکڑنے اور مارنے پر تلا ہوا نہیں ہے کہ ذرا تم سے قصور سرزد ہوا اور وہ تمہاری خبر لے ڈالے۔ وہ حقیقت وہ اپنی تمام مخلوقات پر نہایت ہریان ہے، غایت درجہ کے رحم و کرم کے ساتھ خدائی کر رہا ہے، اور یہی اس کا معاملہ تمہارے ساتھ بھی ہے۔ اسی لیے وہ تمہارے قصور پر قصور معاف کرتا چلا جاتا ہے، تم نافرمانیاں کرتے ہو، گناہ کرتے ہو، جرائم کا ارتکاب کرتے ہو، اس کے رزق سے پل کر بھی اس کے احکام سے منہ موڑتے ہو، مگر وہ علم اور عفو ہی سے کام لے جاتا ہے اور تمہیں سنبھلنے اور بچنے اور اپنی اصلاح کر لینے کے لیے جہلت پر جہلت دیے جاتا ہے۔ ورنہ اگر وہ سخت گیر ہوتا تو اس کے لیے کچھ شکل نہ تھا کہ تمہیں دینا سے رخصت کر دیتا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اٹھا کھڑا کرتا۔

(حواشی صفحہ ۵۱) اسے یعنی قیامت جس کے بعد تمام اگلے پچھلے انسان از سر نو زندہ کیے جائیں گے اور اپنے رب کے سامنے ہجرت فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

اسے یعنی اگر میرے سمجھانے سے تم نہیں سمجھتے اور اپنی غلط روی سے باز نہیں آتے تو جس راہ پر تم چل رہے ہو چلے جاؤ، اور مجھے اپنی راہ چلنے کے لیے چھوڑ دو، انجام کار جو کچھ ہو گا وہ تمہارے سامنے بھی آ جائے گا اور میرے سامنے بھی۔